طلبائے شعبہ اسلامیات، مانو کی سرگرمیوں کا آئینہ دار

اسلامی مطالعات

ISLAMI MUTALA'AT

جلد: 2 شمارہ: 1 صفحات: 4 شعبہ اسلامک اسٹڈیز، مولانا آزاد نیشنل اردو یونیورسٹی، حیدرآباد ذی الحجہ-ربیع الاول 39-1438ھ اگست-دسمبر 2017ء

اداریہ

مذہب کی ضرورت

انسانی فطرت میں نیکی و بدی، خیر وشر وہ بنیادی حقیقتیں ہیں جن کا شعور نفس انسانی میں فطری طور پر موجود ہے، انسان چاہے کسی مذہب سے تعلق رکھتا ہو، یا خواہ ملحد ہی کیوں نہ ہو، وہ اس شعور سے عاری نہیں ہوسکتا کہ اس کے سامنے زندگی گزارنے کے دو واضح راستے ہیں، ایک راستہ خیر کا ہے اور دوسرا شر کا۔ انسان اس حقیقت سے بھی بخوبی واقف ہے کہ اس کے اندر ایک ایسی آواز ہے جو سچائی اور جھوٹ کے راستہ کے درمیان فرق کو واضح کرتی ہے، انسان کے اندر کی اسی آواز کو "ضمیر" کہتے ہیں۔ انسان کے اندر طاقتور خواہشات بھی موجود ہیں جن کو پورا کرنے میں وقتی طور پر بڑی لذت محسوس ہوتی ہے، انہی خواہشات سے مجبور ہو کر انسان کسی دوسرے کی پرواہ کئے بغیر لذت حاصل کرنے کے لئے سب کچھ کر گزرتا ہے۔ انسان بسا اوقات ان خواہشات سے مغلوب ہو کر غلطیوں میں اتنا زیادہ ملوث ہو جاتا ہے کہ وہ صحیح اور غلط کی پہچان تک کھو دیتا ہے۔ یہی وہ دوراہا ہے، جہاں مذہب ایک رہنما کی صورت میں آکر صحیح اور غلط کے درمیان فرق بتاتا ہے، مذہب دل میں جوابدہی کا احساس پیدا کرتا ہے، جواب دہی کا احساس ایسے وقت میں انسان کو روک کر رکھتا ہے، جہاں دنیاوی قوانین موجود نہیں ہوتے۔

مذہب کا آغاز یورپی ماہرین نفسیات کے مطابق خوف سے ہوا۔ اس طور پر کہ قدیم زمانے میں زلزلے آتے تھے، آفات آتی تھیں، اور انسان کمزور تھا، اس کے پاس نہ تہذیب تھی، نہ رہن سہن تھا اور نہ ٹیکنالوجی۔ اس لئے انسان نے اندیکھی قوتوں سے پناہ مانگنی شروع کردی۔ اب چونکہ انسان نے ان چیزوں پر عبور حاصل کرلیا ہے، لہٰذا مذہب کی اب کوئی ضرورت نہیں۔ لیکن یہ بات عقلی طور پر صحیح ثابت نہیں ہوتی، کیونکہ انسان کو خوف اسی وقت لاحق ہوتا ہے جب اس کو اپنی کسی محبوب چیز کے چھین جانے کا خدشہ ہوتا ہے، لہٰذا اگر کسی انسان کو خوف لاحق ہو رہا ہے تو اس کا مطلب یہ ہے کہ اس کے پاس پہلے سے محبت کے مواقع موجود تھے، اسے اپنی زندگی عزیز تھی، اسے اپنے اہل وعیال، دوست واحباب، گھربار، طرز زندگی وغیرہ سے محبت تھی اور کسی وجہ سے اسے ان چیزوں کے چھین جانے کا خوف لاحق ہو رہا ہے۔

مذہب پر ایک اعتراض یہ ہے کہ انسان پہلے متحد ہو کر رہتا تھا لیکن مذہب کی وجہ سے ان کے درمیان شدید افتراق پیدا ہوگیا اور ان کا اتحاد منتشر ہو گیا۔ یہ اعتراض لغو ہے، اس اعتراض میں دو باتیں ہیں، پہلی یہ کہ انسان پہلے متحد تھا، یہی خلاف واقعہ ہے، کیونکہ مذہب کی تاریخ کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ جب بھی کوئی نبی، مصلح وقت یا نجات دہندہ آیا، اس وقت دنیا گناہوں میں ڈوبی ہوئی تھی، اتحاد تو درکنار لوگ ایک دوسرے کے خون کے پیاسے تھے، پھر اس رہنما نے ان کو متحد کیا، اخلاق کا سبق سکھایا، اور افتراق کو ختم کیا۔ اور دوسری بات یہ ہے کہ مذہب نے ان کے درمیان افتراق ڈال دیا، یہ بھی بالکل خلاف واقعہ بات ہے کیونکہ سچے مذہب کی تعلیم دلوں کو جوڑتی ہیں، اور تنوع کے ساتھ ان کو آپس میں جوڑتی ہے نہ کہ ان کے درمیان افتراق وانتشار پیدا کرتی ہے۔

انسانی زندگی میں اخلاقیات کی ہمہ گیر تعلیم بھی مذہب ہی کا مرہون منت ہے، کوئی سا بھی مذہب دیکھ لیں، وہ معاشرے میں توازن رکھنے کے لئے اخلاقیات کی تلقین کرتا ہے۔ چوری، حق تلفی، بہتان تراشی، زنا، جوا، غبن، بدعنوانی اور وطن فروشی کو ہر مذہب بداخلاقی اور بدکرداری سمجھتا ہے، جتنے بھی مذاہب ہیں وہ رشتوں کا تقدس بھی مقرر کرتے ہیں۔ ابتدائی معاشرے میں جب انسان ابھی مہذب نہیں تھا، رشتوں کی حرمت کا کوئی معیار نہ تھا، مذہب نے رشتوں کو تقدس عطا کیا، عورت کو احترام عطا کیا، جتنے بھی بڑے مذاہب ہیں وہ اخلاقیات کے علمبردار ہیں۔

دین اسلام تمام مذاہب میں اس اعتبار سے امتیازی خصوصیت کا حامل ہے کہ ایک اسلام کا پیروکار اللہ کی وحدت پر، اللہ کے رسولوں اور نبیوں پر، ملائکہ پر اور اللہ کی طرف سے نازل کردہ کتابوں پر ایمان رکھتا ہے اور سب سے بڑی بات یہ ہے ایک مسلمان حساب کے دن پر بھی یقین رکھتا ہے۔ آخرت میں انفرادی جواب دہی کا تصور اسلام کا امتیاز ہے، کسی کی بھی بخشش اس کے اعمال پر منحصر ہے، یوم حساب کا یہی تصور مسلمانوں کو گناہوں اور برائیوں سے دور رکھتا ہے۔

☆☆☆

صالح امین

☆ زیر ہدایت ☆

ڈاکٹر محمد فہیم اختر

☆ مجلس مشاورت ☆

ڈاکٹر محمد عرفان احمد، مفتی محمد سراج الدین

محترمہ ذیشان سارہ، جناب عاطف عمران

مدیر : صالح امین

معاونین : سید عبدالرشید، محمد عامر (پی ایچ ڈی اسکالرس)

منتظمین : صلاح الدین، نویدالسحر (ایم اے)

شعبہ کا پتہ

شعبہ اسلامک اسٹڈیز، اسکول برائے فنون وسماجی علوم

مولانا آزاد نیشنل اردو یونیورسٹی، گچی باؤلی، حیدرآباد، 500032

فون نمبر: 040-23008364

ای میل: doismanuu@gmail.com

ویب سائٹ: www.manuu.ac.in

عہد اسلامی کی اولین رصد گاہیں

سید عبد الرشید
پی ایچ ڈی اسکالر

رصدگاہ کو عربی میں مرصد اور انگریزی میں (Observatory) کہتے ہیں، اس سے مراد وہ مقام ہے، جہاں سے اجرام فلکی اور ان کے حالات کا مشاہدہ کیا جاسکے، موسم کے حالات ریکارڈ کئے جاسکیں، رصدگاہ میں مشاہدہ کے لئے آلات بھی مہیا کئے جاتے ہیں۔ عہد اسلامی میں اولین رصدگاہیں عہد عباسی میں قائم ہوئیں، اور پہلی رصدگاہ کے قیام کا شرف مامون الرشید کو حاصل ہوا۔ رصدگاہ کے قیام کے لئے یہ ضروری تھا کہ نظری طور پر فلکیات کا علم ابتدائی مراحل سے گذر جائے، یہ ارتقائی دور خالد بن یزید بن معاویہ سے لے کر مامون تک تقریبا پون صدی سے زیادہ پر محیط تھا، اس دوران اہل عرب نے فلکیات سے واقفیت بہم پہونچائی۔

فلکیات میں اہم پیش رفت اس وقت ہوئی جب سندھ سے آنے والے وفد میں ایک ہندوستانی پنڈت نے سنسکرت زبان میں فلکیات کی اہم تصنیف سدھانتا منصور کے دربار میں پیش کی، وفد کی آمد 154ھ میں ہوئی تھی (تحقیق ماللہند: 351)۔ اس کتاب کا اصل نام برہم اسپتھی سدھانت (علم ہیئت کی صحیح کتاب منسوب بہ برہم) تھا، بارہ ابواب پر مشتمل اس کتاب کو منصور نے قدر کی نگاہ سے دیکھا، یعقوب بن طارق اور ابراہیم بن حبیب فزاری کی مدد سے اس کا ترجمہ ہوا، ابراہیم فزاری کو علم ہیئت میں مہارت حاصل تھی، وہ پہلا شخص تھا، جس نے عہد اسلامی میں اسطرلاب بنایا، فزاری نے اسطرلاب کی مختلف قسموں کو استعمال کرنے کے لئے کتابیں لکھیں (الفہرست: 2/232-231)۔ منصور نے یہ بھی حکم دیا کہ ترجمہ کے علاوہ سدھانتا کی روشنی میں ایک مستقل کتاب تالیف کی جائے، جو عربوں کے لئے علم ہیئت میں بنیاد کا کام دے، اس کام کا بیڑا محمد بن ابراہیم فزاری نے اٹھایا، اور کتاب السند ہند الکبیر کے نام سے اس کو مکمل کیا (طبقات الامم: 50)۔ اس کتاب کو عرب ماہرین فلکیات میں بے حد مقبولیت حاصل ہوئی، مشہور ریاضی داں اور ماہر فلکیات محمد بن موسی خوارزمی نے سدھانتا کی کتاب پر دو زیچیں تیار کیں، بعد کے تمام اہل فن کے علم وفن کا دارومدار خوارزمی کی دونوں کتابوں پر تھا (الفہرست: 2/266-265)۔

فلکیات کے باب میں دوسری اہم کتاب جو ترجمہ ہوئی، وہ یونانی فلسفی اور ماہر فلکیات بطلیموس کی مجسطی (Almagest) تھی، یحیی بن خالد برمکی خود بھی علم نجوم کا ماہر تھا (الوزرا والکتاب: 249)، علوم وفنون شغف رکھتا تھا، ابن الندیم کے مطابق اسی نے سب سے پہلے مجسطی کا ترجمہ کروایا (الفہرست: 2/215)۔

اس طرح مامون کا دور آتے آتے نظریاتی طور پر علم فلکیات اب اس درجہ کو پہونچ چکا تھا کہ تجربات عمل میں لائے جاتے، البتہ آلات رصد کی ضرورت تھی، مامون نے آلات رصد بنانے کا حکم دیا، ابن خلف مروروذی نے مامون کے حکم پر ذات الحلق نامی آلہ بنایا، انہوں نے ایک اسطرلاب بھی تیار کیا (الفہرست 2/264)، ذات الحلق نامی آلہ ایک دوسرے میں پیوست کئی حلقوں پر مشتمل ہوتا تھا، جن کی تعداد پانچ سے گیارہ تک ہوتی تھی، بیچ میں ایک گولہ یا کرہ ہوتا تھا، اس سے اجرام فلکی کی گردش اور ستاروں کا مشاہدہ کرنے میں مدد لی جاتی تھی، اوقات معلوم کرنے میں بھی اس سے فائدہ اٹھایا جاتا تھا۔ ذات الحلق کو محلقہ بھی کہا جاتا تھا (المراصد الفلکیہ ......، مجلة الواحات، شمارہ 9، ص: 125-124)۔

مشاہدہ افلاک کے لئے دوسرا اہم آلہ اسطرلاب (Astrolabe) تھا (کشاف اصطلاحات الفنون: 1/176)، مسلمانوں نے اس آلہ کو فلکیاتی مشاہدات اور تجربات کے لئے سب سے زیادہ استعمال کیا، اور اس کے استعمال پر بے شمار کتابیں تحریر کیں، اسطرلاب اصلا یونانی ایجاد تھی، لیکن قرون وسطی میں عربوں نے اس کو ترقی دے کر اس میں اتنی تبدیلیاں کیں کہ اس کی مختلف قسمیں مثلا مسطح، مبطح، مسرطن، ہلالی، زورق وغیرہ وجود میں آگئیں۔ اور اس کے استعمال کے لئے ایک مستقل علم 'علم اسطرلاب' وجود میں آگیا (المراصد الفلکیہ ......، مجلة الواحات، شمارہ 9، ص: 127-126)۔ سمت قبلہ، اوقات نماز، سورج کی بلندی، عرض البلد، دوران فلک اور کسی بھی جگہ کے افق سے اجرام فلکی کی بلندی ناپنے کے علاوہ دیگر بہت سے کام اس سے لئے جاتے تھے۔

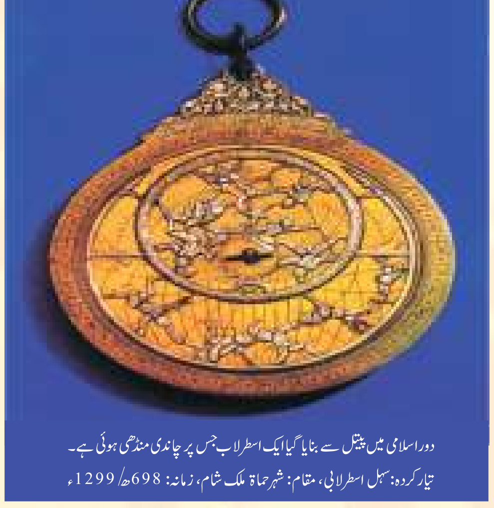

دور اسلامی میں پیتل سے بنایا گیا ایک اسطرلاب جس پر چاندی منڈھی ہوئی ہے۔
تیار کردہ: سہل اسطرلابی، مقام: شہر حماۃ ملک شام، زمانہ: 698ھ/ 1299ء

اس کے بعد مامون نے سلطنت کے طول وعرض سے ماہرین کو طلب کیا، اور ان کو حکم دیا کہ اجرام فلکیہ کا مشاہدہ کر کے تحریر میں لائیں، اس غرض سے مامون نے دو رصدگاہیں قائم کیں، پہلی رصدگاہ بغداد کے قریب شماسیہ نامی مقام پر تعمیر کی، اور دوسری دمشق میں جبل قاسیون پر بنائی۔ مامون نے ان رصدگاہوں کے لئے طئے کیا کہ یہاں فلکیات پر لٹریچر تیار کیا جائے، ماہرین فلکیات ستاروں کی حرکات کا اندازہ لگائیں، اور بطلیموس کی طرح ستاروں کے حالات معلوم کریں۔

شماسیہ بغداد کی رصدگاہ: شماسیہ بغداد کے اوپری جانب ایک صحرا کا نام ہے۔ بغداد کا جو دروازہ اس جانب کھلتا ہے، اسی کی طرف منسوب ہے (مراصد الاطلاع: 2/810)، کامل میں ابن اثیر کے ایک بیان سے بھی معلوم ہوتا ہے کہ یہ مقام بغداد میں بلندی پر واقع تھا (الکامل فی التاریخ: 6/726)۔

دمشق کی رصدگاہ: دوسری اہم رصدگاہ دمشق میں جبل قاسیون پر بنائی گئی، مامون کے حکم کے مطابق یہاں 214ھ میں ستاروں کا مطالعہ کیا گیا، رصد کے ذریعہ شمسی سال سورج کا جھکا، مرکز سے اس کا خروج، اس کے اوج کا مقام معلوم کیا گیا، ساتھ ہی باقی کواکب ثابتہ وسائرہ سے بھی واقفیت حاصل کی۔ سنہ 218ھ کو مامون کی موت سے ان کا مقصد پورا نہ ہوسکا۔ ان علما نے اس وقت تک کی حاصل کردہ معلومات کو تحریر کیا، اور اس کو رصد مامونی سے موسوم کیا (اخبار العلماء باخبار الحکماء: 51-50)۔

رصدگاہوں کا عملہ: رصدگاہ شماسیہ میں کام انجام دینے والوں میں اس دور کے ماہر علمائے ہیئت یحیی بن ابی منصور، خالد بن عبد الملک مروزی، سند بن علی، عباس بن سعید جوہری تھے۔ ان علما کے مشاہدات عہد اسلامی کے اولین فلکی مشاہدات تھے۔ ان میں سے ہر ایک نے زیچ تیار کی، جو مصنف کی طرف منسوب ہو کر معروف ہوئی (اخبار العلماء: 51-50)۔ یحیی بن ابی منصور، اپنے زمانہ کے سب سے بڑے منجم تھے، ان سب کے سربراہ تھے۔ سند بن علی یہودی مامون کے منجم تھے، آلات رصد اور اسطرلاب کے استعمال سے واقف تھے، اپنے وقت کے عظیم فضلا میں شمار تھا، مامون کی خدمت سے وابستہ ہوئے، مامون نے ان کو آلات رصد کی اصلاح پر متعین کیا، اور شماسیہ بغداد میں رصد فلکی پر مامور کیا، سند بن علی نے یہ ذمہ داری انجام دی، ستاروں کے مقامات کی جانچ کی، لیکن مامون کے انتقال سے رصد کے کام مکمل نہ کئے۔ سند نے بھی اپنی ایک مشہور زیچ تیار کی تھی (اخبار العلماء: 161)۔ عباس بن سعید جوہری منجم تھے، صناعۃ التسییر اور فلکی حساب کے ماہر تھے، آلات رصد کے استعمال کے ذمہ دار تھے، مامون نے شماسیہ بغداد میں افلاک کی رصد پر مامور جماعت کے رصد کا مشاہدہ کرانے کے لئے مقرر کیا تھا۔ بعض کواکب سیارہ اور نیرین (سورج اور چاند) کے مقامات کی تحقیق کی، اور اس پر ایک مشہور زیچ تیار کی، جو اہل علم میں مقبول ہوئی (اخبار العلماء: 170)۔

مامون کی موت کے بعد ان رصدگاہوں میں کاموں کا تسلسل باقی نہ رہا لیکن ان دونوں رصدگاہوں نے امرا اور اہل علم کے اندر مشاہدات افلاک سے دلچسپی پیدا کردی، تمام عالم اسلام میں مراصد کی کثرت ہوگئی۔

☆☆☆

مغل حکمرانوں کی مذہبی رواداری

صلاح الدین، ایم اے سال دوم

مغل حکمرانوں نے ہندوستان کو جنت نشان بنایا، ایک اچھی حکومت قائم کرنے کی خاطر یہاں کے لوگوں سے ہر طرح کا میل جول بڑھایا، ان کے رسم ورواج میں کسی قسم کی مداخلت نہیں کی، ان کے پرسنل لاکو برقرار رکھا، ان کی معاشرتی زندگی میں کوئی خلل نہیں ڈالا ، ملک کے نظم ونسق میں ان کو اپنا شریک کار بنایا، ان کو بڑے بڑے عہدے دیئے، ہم کو ایسی مثالیں بھی ملتی ہیں کہ مسلمانوں نے اگر کہیں شورش یا بغاوت کی تو ان کے کچلنے کے لیے ہندو فوجی سرداروں اور منصب داروں کو بھیجنے میں تامل نہیں کیا۔ شادی بیاہ کے ذریعہ سے رشتے بھی قائم کیے اور ان کے دلوں کی تسخیر کے لیے اکبر نے تو اپنا آبائی مذہب بھی چھوڑ دیا۔ اس کے باوجود آئے دن بعض متعصب گروہوں اور افراد کی جانب سے مسلم حکمرانوں کی وفاداری اور رواداری پر انگلیاں اٹھائی جاتی ہیں۔ ذیل کی سطروں میں مسلم حکمرانوں کی رواداری کی چند مثالیں پیش کی جاتی ہیں۔

ظہیر الدین بابر: بابر فاتح بن کر ہندوستان کے تخت وتاج کا مالک بنا، لیکن اپنے پیچھے رحم دلی اور رواداری کی ایک خوش گوار یاد چھوڑ گیا، جس کے معترف نہ صرف مسلمان بلکہ موجودہ دور کے ہندو مؤرخین بھی ہیں، اس نے اپنے شہزادہ ہمایوں کو جو نصیحت کی وہ رواداری کی روشن مثال ہے:

”اے فرزند! ہندوستان کی سلطنت مختلف مذاہب سے بھری ہوئی ہے، خدا کا شکر ہے کہ اس نے تم کو بادشاہت عطا کی تم پر لازم ہے کہ اپنے لوح دل سے تمام مذہبی تعصبات کو مٹادو اور ہر مذہب کے طریقے کے مطابق انصاف کرو، تم خاص کر گائے کی قربانی چھوڑ دو، اس سے تم ہندوستان کے لوگوں کے دلوں کو تسخیر کرسکو گے، مندروں اور عبادت گاہوں کو منہدم نہ کرو ، عدل وانصاف اس طرح کرو کہ بادشاہ رعایا اور رعایا بادشاہ سے خوش رہے، اسلام کی ترویج ظلم کی تلوار سے زیادہ احسانات کی تلوار سے ہوتی ہے“۔ (رود کوثر:23)

ہمایوں: ہمایوں نے باپ کی نصیحت پر عمل کر کے مذہبی رواداری کی ایک عظیم مثال قائم کردی۔ ڈاکٹر ایس کے بنرجی اپنی کتاب ’ہمایوں بادشاہ‘ میں لکھتے ہیں: وہ اپنی ہندو رعایا کی طرف مائل رہا، اس کے باپ کی یہ نصیحت تھی کہ وہ گائے کا ذبیحہ بند کرادے، اور مندروں کا انہدام نہ کرے، اس نصیحت نے اس کو اعتدال پسند بنا دیا تھا، اس لیے وہ عام ہندوؤں اور راجپوتوں کی ریاستوں سے اچھے تعلقات رکھتا تھا، اس کو چوسا میں شکست ہوئی تو مراجعت کے وقت ایک ہندو راجہ بیر بھن نے اس کی مدد کی۔ (مسلمان حکمرانوں کی مذہبی رواداری: 11/2)

اکبر: اکبر ہندوں کے ساتھ مذہبی رواداری میں اس حد تک بڑھ گیا کہ اسلام کی شکل ہی بگاڑ کر رکھ دی، تاہم اس کی رواداری سے اس دور میں جو خوش گوار فضا قائم ہوئی اسے بھلایا نہیں جاسکتا۔

جہانگیر: بادشاہ جہانگیر کی رواداری کی سب سے بڑی مثال اس وقت ظاہر ہوئی جب اس نے اپنے محل کے اندر ایک مندر بنوادیا اور اس میں ہنومان جی کی مورتی رکھوادی، اس کے آثار آگرہ میں جہانگیری محل میں اب بھی دیکھے جاسکتے ہیں۔ (مسلمان حکمرانوں کی مذہبی رواداری: 124/2)

شاہ جہاں: شاہ جہاں صوم وصلاۃ کا پابند تھا، بلکہ نماز با جماعت ادا کرنے کی کوشش کرتا تھا، اس کی تعمیر کردہ عمارتوں پر کندہ قرآنی آیات سے مذہب سے اس کی وابستگی کا پتہ چلتا ہے، اس مذہبیت کے باوجود اس کا دل ہندوں کے لئے خصوصاً راجپوتوں کے لیے بڑا نرم تھا۔ جب وہ تخت پر بیٹھا تو اس کو اپنے راجپوت سرداروں پر اتنا بھروسہ رہا کہ اس کی جان کے محافظوں کا سردار راجہ مہیش داس راٹھور اس کے تخت کے پیچھے برابر کھڑا رہتا، وہ بڑی فیاضی سے راجپوت اور ہندو سرداروں کو عہدے دیکر نوازتا رہا، اس کے عہدے داروں میں ہندو معزز ترین منصب داروں میں تھے اس نے ہندوں کو اپنی سلطنت کا وکیل یعنی وزیر اعظم اور نائب وزیر اعظم بنانے میں بھی تامل نہیں کیا۔ (مسلمان حکمرانوں کی مذہبی رواداری: 153/2)

اورنگ زیب عالمگیر: غیر مسلموں کے ساتھ رواداری کے حوالے سے مغل حکمرانوں میں سب سے زیادہ متنازعہ فیہ شخصیت اورنگ زیب عالم گیر کی ہے، اس غلط فہمی کی بہت سی وجوہات میں سے ایک بڑی وجہ ہندوستان میں انگریزی سامراج کے استحکام اور سیاسی مفاد کے لیے ہندو مسلم اتحاد کو پارہ پارہ کرنا ہے، اس کے لیے انگریزوں نے پوری کوشش کی کہ مسلمان حکمرانوں کو زیادہ سے زیادہ برا دکھایا جائے تا کہ ان کی غاصبانہ حکومت یہاں کے لیے رحمت الٰہی سمجھی جائے۔ اس کام کو انجام دینے کے لیے انگریزوں نے متعصب مؤرخین کو اعزازت اور خطابات سے نواز کر تاریخی حقائق کو مسخ کرنے کی کوشش کی لیکن انصاف پرست اور حقیقت پسند ہندو مؤرخین نے حقیقی چہرہ سامنے لا کر مغل حکمرانوں خاص کر اورنگ زیب کی رواداری کی گواہی دی ہے۔ جیسا کہ کے ایم پنسیکر بڑی فراخ دلی سے اس کا اعتراف کرتے ہیں کہ اورنگ زیب کی ساری لڑائیاں ہندوستان کو متحد کرنے کی کوشش میں لڑی گئیں۔

اورنگ زیب کے ہندو منصب دار: ❁ راجہ اندرمن دھندیرہ: شاہ جہاں نے اپنے زمانے میں اس کی سرکشی کی وجہ سے اس کو قید کر رکھا تھا، لیکن اورنگ زیب نے اپنے جانشینی کے موقع پر اس کو رہا کیا اور معزز عہدہ سے نوازا۔ ❁ نی رائے: عالمگیر کے صدر دفتر کے صیغہ حساب وتنخواہ کا دیوان تھا، وہ حساب کتاب میں کسی کی رورعایت نہیں کرتا تھا، اسی لیے عالمگیر اس کو پسند کرتا تھا۔ ❁ مہاراجہ جسونت سنگھ راٹھور: داراشکوہ کا حامی اور اورنگ زیب کی جان کا دشمن بن کر دھرماوت کی لڑائی میں شریک ہوا، لیکن اورنگ زیب سے شکست کھائی، اورنگ زیب نے تمام خطائیں معاف کردیں اور اس کے تمام اعزاز کو برقرار رکھا، لیکن کھجوہ کی جنگ میں اورنگ زیب سے پھر بے وفائی کی اور داراشکوہ کے ساتھ مل کر سازش کی؛ لیکن اورنگ زیب اس کے تمام قصوروں سے چشم پوشی کرتا رہا، اور مختلف اوقات میں گجرات، کابل اور جمرود کا حاکم مقرر کیا۔

☆☆☆

عورت قدیم مذاہب میں

عزیر عالم، ایم اے سال اول

عالم دنیا میں ظہور اسلام سے قبل عورت کے وجود کو معاشرے میں برا خیال کیا جاتا تھا۔ یونان ہو یا روم، ہندوستان ہو یا ایران، یورپ ہو یا ایشیاء، ہر جگہ عورت مظلوم تھی۔ تمام ادیان ومذاہب نے عورت کے بارے میں پست خیالات کا اظہار کیا، جس کی بنیاد پر عورتوں کو انسانیت کے کندھوں پر ہمیشہ ایک بوجھ سمجھا گیا، قدیم زمانہ کے ذرہ ذرہ اس کے خون کا پیاسا اور چپہ چپہ اس کی ذلت کا خواہاں اور اس کی عزت وناموس کے درپے رہا، اس کا مقصد اس کے علاوہ کچھ نہ تھا کہ وہ صرف خادمہ بن کر گھر والوں کی خدمت کرتی رہے۔

اقوام قدیمہ میں جس قوم کو تہذیب وتمدن کا اعلیٰ مقام حاصل تھا وہ اہل یونان ہیں۔ اس قوم کے ابتدائی دور میں اخلاقی نظریہ، قانونی حقوق اور معاشرتی برتاؤ میں، ہر اعتبار سے عورت کی حیثیت بہت گری تھی۔ یونانی خرافات میں ایک خیالی عورت پانڈ و کو تمام مصائب کا موجب قرار دیا گیا تھا، اس کی وجہ سے عورت ان کی نظر میں ایک کمتر درجہ کی مخلوق تھی، اہل یونان تمام تہذیب وتمدن کے باوجود عورت کے بارے میں اس گمراہ کن عقیدہ کے حامل تھے، ان کا قول تھا کہ آگ سے جل جانے اور سانپ کے ڈس جانے کا علاج تو ممکن ہے مگر عورت کے شر کا مداوا محال ہے۔

رومی قانون نے ایک عرصہ دراز تک عورت کا مقام ومرتبہ پست رکھا، شوہر کے اختیارات اتنے وسیع تھے کہ وہ اپنی بیوی کو قتل بھی کرسکتا تھا، غلاموں کی طرح عورت کا مقصد بھی خدمت اور چاکری سمجھا جاتا تھا، عورت کسی عہدہ کی اہل نہیں سمجھی جاتی تھی، اس کی گواہی تک کا اعتبار نہ تھا۔

یہودیت اور عیسائیت دونوں نے عورت کو بدکار اور بد طینت اور مرد کو نیک سرشت اور نیک فطرت گردانا، ان کا ابتدائی اور بنیادی نظریہ یہ تھا کہ عورت گناہ کی ماں اور بدی کا دروازہ ہے، تمام انسانی مصائب کا آغاز وابتداء اسی سے ہوا ہے، اس کا عورت ہونا ہی اس کے شرمناک ہونے کے لئے کافی ہے، اس کو اپنے حسن وجمال پر شرم آنا چاہئے کیونکہ وہ شیطان کا سب سے بڑا ہتھیار ہے، اس کو ہمیشہ کفارہ ادا کرتے رہنا چاہئے کیونکہ وہ دنیا والوں پر لعنت ومصیبت لاتی ہے، ترتولیان جو ابتدائی دور کے ائمہ مسیحیت میں سے تھا عورت کے متعلق مسیحی تصور کی ترجمانی ان الفاظ میں کرتا ہے: ”وہ شیطان کے آنے کا دروازہ ہے، وہ شجر ممنوعہ کی طرف سے لے جانے والی، خدا کے قانون کو توڑنے والی اور خدائی تصویر یعنی مرد کو غارت کرنے والی ہے“۔

ہندو دھرم اس میں سب سے بازی لے گیا۔ ہندوستان کے مشہور مقنن دیانند سرسوتی نے عورت کے بارے میں فتویٰ دیا کہ ”عورت خواہ بچی ہو یا جوان یا بوڑھی ہر حال میں کوئی کام خود مختاری سے نہ کرے“۔

ہندو دھرم میں بعض علاقوں میں قدیم زمانہ میں اسے اپنے شوہر کی چتا پر بھینٹ چڑھایا جاتا تھا، اس کو ملکیت اور وراثت کے حقوق سے محروم رکھا جاتا تھا۔ ہندوستان میں قدیم زمانہ سے ستی کا رواج اس بات کی دلیل ہے کہ گویا عورت کا اپنا کوئی وجود نہیں ہے، وہ محض مرد کے رحم وکرم پر جی سکتی ہے، اور خاوند کے انتقال کے بعد اسے جینے کا کوئی حق نہیں ہے۔

عرب میں ظہور اسلام سے قبل عورت کی حالت بہت خراب تھی، زمانہ جاہلیت میں جزیرۃ العرب میں عورت کے لئے کوئی حق نہ تھا، عورت کی حیثیت کو تسلیم کرنا تو درکنار اس کو معاشرے میں زندہ بھی رہنے کا حق نہ تھا، معاشرے میں عورت کا مقام ومرتبہ ناپسندیدہ تھا، وہ مظلوم اور ستائی ہوئی تھی، ہر قسم کی فضیلت وبرتری صرف مردوں کے لئے تھی۔ ماں کی شکل میں عورت کا مقام ومرتبہ بہت گرا ہوا تھا، باپ کی بیوی بیٹوں میں ترکہ اور جائیداد کی طرح تقسیم ہوجاتی تھی، وراثت میں عورت کا کوئی حصہ نہیں تھا، سوتیلی ماں سے نکاح کر لینے میں کوئی عار نہ تھی۔

اسلام نے عورت کو وہ مقام ومرتبہ عطا کیا جو کوئی مذہب نہیں عطا کرسکا، عورت اسلام کی نظر میں ایک مکمل انسان ہے، خاندان زندگی میں وہ مرد کی رفیقہ حیات ہے نہ کہ محض جنسی تسکین کا ایک ذریعہ، اسلام کی نظر میں عورت منحوس نہیں ہے، بلکہ مردوں کی طرح وہ بھی محترم ومکرم ہے۔ اسلام سے پہلے اکثر مذاہب میں عورت کو گناہ کا دروازہ یا منحوس یا ناپاک خیال کیا جاتا تھا، مگر اسلام نے اس خیال کو ختم کیا اور اس کی وضاحت قرآن میں کر دی گئی۔ اسلام نے عورت کو انسانی شرف وکرامت کے مقام سے نوازا اور اس کو مستقل حیثیت دی، اسے اپنی ملکیت میں تصرف کی پوری آزادی دی، وراثت میں اسے حصہ دیا، نکاح کے سلسلہ میں انھیں آزادی دی کہ وہ اپنی پسند کے مطابق نکاح کرے، اسلام نے عورت کو ہر شرف وکرامت کے مقام سے نوازا ہے۔

☆☆☆

اسلام کا تصور تعلیم

نوید السحر
ایم اے سال اول

تاریخ کی بصارت نے دیکھا ہے کہ ترقی، عزت، تکریم وشہرت اس قوم کا مقدر بنی جس نے علم کو سرمایہ حیات بنالیا ہو۔ دینا کی ہر قوم کو اس قوم کے آگے اپنا سر خم کرنا پڑا جس نے غور وفکر، تحقیق اور علم کی دنیا میں عرق ریزی کی۔ یہ بات بالکل درست ہے، لیکن یہ بھی حقیقت ہے تعلیم کے ساتھ تربیت بھی ضروری ہے، اور تربیت کے لئے عقیدہ لازمی ہے، ورنہ انسان اور مشین میں کچھ فرق نہیں رہ جائے گا۔ مذہب کا اثر انسان داخلی اور ظاہری برتاؤ پر ہوتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ ترقی یافتہ اور علم کی علمبردار قومیں بھی انسانی زندگی کے اس خلاء کو آج تک نہیں پاٹ سکیں، جو خود انہوں نے مذہب اور علم کے درمیان پیدا کیا تھا۔

انسانی نفسیات یہ کہتی ہے کہ مذہب اور علم انسانی زندگی کے دو اہم پہلو ہیں جن میں سے ایک کو بھی نظر انداز نہیں کیا جاسکتا۔ ایک پہلو انسان کی روحانی تسکین وتکمیل کا باعث ہے اور ایک پہلو اس کی ذہنی وعقلی تسکین وتکمیل کا، لیکن اس حقیقت کو تسلیم کرنے کے بجائے مذہب اور علم کو ہر دفعہ دو انتہائی مختلف تصورات کے طور پر پیش کیا گیا، جو شخص علم اور غور وفکر کے میدان میں اترا، اسے مذہب سے دور کیا گیا اور جس نے مذہب کی راہ چنی وہ علم کی تجلی سے محروم رہا، گویا علم اور مذہب دو علاحدہ علاحدہ مختلف مدار ٹھہرے، جو چاہے اس پر محو گردش ہو جائے جو چاہے اس پر محو گردش ہو جائے جبکہ دونوں ہی مدار اسے اپنی اپنی جانب کھینچ رہے ہوں۔ بھلا یہ کیونکر ممکن ہو کہ ایک ہی انسان بیک وقت دو مختلف مداروں پر گردش کرسکے...؟ اس طرح تو نظام زندگی درہم برہم ہوجائے اور ہوتی رہی ہے۔

انسانی زندگی کی اس پیچیدہ گتھی کو اسلام سلجھاتا ہے۔ یہ علم کا ایک ایسا وسیع تصور دیتا ہے جو انسان کے ذہن ودل کو مطمئن کرتا ہے۔

1- مقصد علم: نفس انسانی کے لئے کسی بھی کام کا مقصد ناگزیر ہے۔ بے مقصد زندگی انسان کو کاہل، خود غرض، عیش پسند بنا دیتی ہے، نیز جو مقصد جتنا بلند ہوگا وہ اتنا ہی شخصیت کو سنوارے گا۔

دنیا کی کوتاہ نظری ہے کہ اس کے نزدیک علم جیسی عظیم نعمت کے حصول کے مقاصد انتہائی قلیل مدتی اور ادنی ہوتے ہیں، اس کے ہر ایک عام انسان کے علم حاصل کرنے کا مقصد روزگار کا حصول، عزت کا حصول یا اپنے شوق/خواہش کی تکمیل ہوتا ہے۔ اس کے برعکس اسلام اسے ایک بہت ہی عظیم مقصد عطا کرتا ہے۔

اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے انسان کو اپنا نائب بنا کر اس جہاں میں بھیجا ہے یعنی اس کی زندگی کا مقصد اللہ کے نظام کو زمین پر نافذ کرنا ہے۔ جب اللہ نے آدم کی تخلیق کی اور فرشتوں سے عرض کیا کہ یہ زمین پر میرا نائب ہوگا، تب فرشتوں نے عرض کیا: ”قَالُوا أَتَجْعَلُ فِيهَا مَنْ يُفْسِدُ فِيهَا وَيَسْفِكُ الدِّمَاءَ وَنَحْنُ نُسَبِّحُ بِحَمْدِكَ وَنُقَدِّسُ لَكَ“، (کیا آپ زمین میں کسی ایسے کو مقرر کرنے والے ہیں، جو اس کے انتظام کو بگاڑ دے گا اور خونریزیاں کرے گا؟ آپ کی حمد وثنا کے ساتھ تسبیح اور آپ کے لئے تقدیس تو ہم کر ہی رہے ہیں) اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ”قَالَ إِنِّي أَعْلَمُ مَا لَا تَعْلَمُونَ“، (میں جانتا ہوں، جو کچھ تم نہیں جانتے)، ”وَعَلَّمَ آدَمَ الْأَسْمَاءَ كُلَّهَا“ (اس کے بعد اللہ نے آدم کو ساری چیزوں کے نام سکھائے/علم دیا)۔ (البقرہ: 30-31)

گویا خلافت کے میدان میں اترنے کا ہتھیار محض تسبیحات وعبادات نہیں تھے، بلکہ علم تھا۔ گویا علم ہی وہ چیز تھی جو منصب خلافت کے لئے انسان کی اہلیت تھی۔ علم ہی وہ وجہ امتیاز تھا جس کی بناء پر انسان کو فرشتوں سے افضل قرار دیا گیا تھا۔ علم ہی وہ چیز تھی جس نے جو انسان کو درجہ کمال پر پہنچاتا تھا۔ چنانچہ علم کے حصول کا یہ وہ مقصد ہے جو انسان کی ہمہ وقت یکسوئی وتوجہ چاہتا ہے۔

2- علم، ایمان وعقیدے کی بنیاد: اسلام، مذہب وعلم کو ایک سکے کے دو پہلوؤں کی طرح پیش کرتا ہے۔ یہ ایک دوسرے سے اس طرح جڑے ہیں کہ ایک دوسرے کو محور عطا کرتے ہیں۔ علم، ایمان، یقین وعقیدے کی بنیاد ہے اور ایمان علم کی بنیاد ہے۔ قرآن میں اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں: ”إِقْرَأْ بِاسْمِ رَبِّكَ الَّذِي خَلَقَ“، (پڑھو [اے نبی!] اپنے رب کے نام کے ساتھ جس نے پیدا کیا)۔ (العلق: 1) گویا کہا جارہا ہے کہ علم حاصل کرو لیکن اس طرح کہ وہ تمہیں اللہ سے قریب کر دے۔ علم حاصل کرو اور اس حقیقت کو قبول کرو کہ بے شک یہ علم اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے عطا کیا ہے۔

اسی طرح اگر اسی کو الٹ کر کہا جائے تو اسلام ایمان کی بنیاد علم پر رکھتا ہے، کہ غور وفکر کرو اور اللہ پر ایمان لاؤ، اندھا دھند ہر کسی کی پیروی نہ کرو اور اپنی عقل لڑاؤ ”تم رحمان کی تخلیق میں کسی قسم کی بے ربطی نہ پاؤ گے، پھر پلٹ کر دیکھو کہیں تمہیں کوئی خلل نظر آتا ہے“۔ یعنی پڑھو، غور وفکر کرو تو ایمان لاؤ، اللہ کی قدرت سے آنکھیں بند نہ کرو، تمہارا علم حاصل کرنا اللہ کی معرفت کے لئے ہو، اور ایمان لاؤ تو غور وفکر کے بعد لاؤ، تمہارے عقیدے اور یقین کی بنیاد علم وغور وفکر پر ہو۔

3- علم کے ساتھ تربیت کا تصور: انسان کی شخصیت کے مختلف پہلو ہیں، یہ اپنے آپ میں ایک مکمل کائنات ہے، اس کی شخصیت کے یہ تمام پہلو صرف علم ہی کے محتاج نہیں بلکہ انھیں ایک خاص تربیت کی بھی ضرورت ہوتی ہے۔ دنیاوی نظریہ علم میں علم کے ساتھ تربیت کا کوئی تصور نہیں ملتا جبکہ اسلام میں تعلیم وتربیت، لازم وملزوم کی حیثیت رکھتے ہیں۔

انسانی زندگی کا بلند وبالا مقصد اگر صرف علم سے مکمل ہوتا تو اللہ سبحانہ وتعالیٰ کا کتاب کا نازل کر دینا ہی کافی تھا، اس کے ساتھ ایک مربی کو انسانوں کی تربیت پر مامور کرنا دراصل اسی تربیت کے تصور کو واضح کرتا ہے۔ قرآن میں ہے: ”جس طرح میں نے تمہارے درمیان خود تم میں سے ایک رسول بھیجا جو تمہیں میری آیات سناتا ہے، تمہاری زندگیوں کو سنوارتا ہے، تمہیں کتاب اور حکمت کی تعلیم دیتا ہے، اور تمہیں وہ باتیں سکھاتا ہے جو تم نہ جانتے تھے“۔ (البقرہ: 151)

غرضیکہ علم کا اسلامی تصور اتنا وسیع ومکمل ہے کہ یہ کسی پہلو کو تشنہ نہیں رکھتا، باوجود اس کے ہم ہی وہ قوم ہیں جس کی علم سے غفلت حد سے بڑھی ہوتی ہے، ہم خود علم اس لئے حاصل کرتے ہیں کہ کوئی روزگار حاصل کر لیں، کجا کہ ہم لوگوں کو اس عظیم تصور سے روشناس کروائیں۔ ضرورت ہے کہ قرآن کے تصور علم کو عام کیا جائے، اور اس پر نئی اسلامی بیداری کی بنیاد رکھی جائے۔

☆☆☆

ترکی میں تہذیب اسلامی کا احیاء

رضوانہ بیگم، ایم اے سال دوم

ترکی کا فوجی حکمراں مصطفی کمال پاشا جسے اتاترک بھی کہا جاتا ہے اور جدید سیکولر ترکی کا بانی بھی، اس نے اسلام کی آخری ریاست ترکی سے بھی خلافت کا خاتمہ کرتے ہوئے جدید سیکولر جمہوریہ کا اعلان کر دیا، تب شاعر علامہ اقبال نے مصطفی کمال پاشا کو مخاطب کرتے ہوئے کہا تھا:

چاک کردی ترک ناداں نے خلافت کی قبا
سادگی اپنوں کی دیکھ اوروں کی عیاری بھی دیکھ

بیسوی صدی میں پہلی جنگ عظیم کے بعد جیسے ہی خلافت عثمانیہ کا شیرازہ بکھرا، دنیا کے اکثر و بیشتر مسلم ممالک چند چنندہ رسم و رواج کی شرائط کے ساتھ سیکولر جمہوریہ میں تبدیل ہو گئے۔ ترکی جو کبھی اسلامی خلافت کا مضبوط مرکز سمجھا جاتا تھا، مصطفی کمال پاشا نے اپنے پندرہ سالہ دورِ اقتدار میں اس کو ایک ایسی ریاست میں تبدیل کر دیا جہاں سرکاری اداروں میں اللہ اور اس کے رسول کا ذکر کرنا بھی سیکولر آئین کے مطابق کفر کے درجے میں شمار کیا جانے لگا۔ اس نے اسکولوں کے تعلیمی نصاب سے عربی رسم الخط ختم کروا کے لاطینی رسم الخط کو رائج کروا دیا۔ مدارس پر پابندی لگا دی، کئی مسجدوں پر تالے ڈال دیئے گئے، ترکی کو جدید ڈھانچے میں ڈالنے کے لئے مغرب سے صلح کر لی، اور فحاشی، رقص و سرود کی محفلیں اور شراب خانے قائم کئے گئے۔ یہاں تک کہ ایک وقت میں برطانیہ اور جرمنی کے بعد ترکی کو شراب تیار کرنے والے تیسرے سب سے بڑے ملک میں شمار کیا جانے لگا۔

ترکی کی سیکولر حکومت کے ان اقدامات سے مذہبی اداروں میں بے چینی تو پائی جاتی تھی؛ لیکن اتاترک کے مضبوط ارادوں کے سامنے عوام بے بس نظر آتے تھے۔ مگر جب 1948 میں ترکی نے عالم اسلام کے ازلی دشمن اسرائیل کو قبول کر لیا تو عوام کے صبر کا پیمانہ لبریز ہو گیا تب انہوں نے 1950 کے الیکشن میں ترکی کے اعتدال پسند رہنما عدنان مندریس کی ڈیموکریٹک پارٹی کا انتخاب کیا۔ انہوں نے اقتدار پر آتے ہی سب سے پہلے نہ صرف مساجد اور مدارس کے دروازے کھلوائے بلکہ یہاں کے عوام میں جو بے چینی پیدا ہو گئی تھی اس کو محسوس کرتے ہوئے 1959 میں اسلام کو ایک بار پھر ترکی کا سرکاری مذہب قرار دے دیا۔ ڈیموکریٹک پارٹی کی ان اصلاحات کا بروقت فائدہ اٹھاتے ہوئے اسلام پسند پروفیسر نجم الدین اربکان نے 26 جنوری 1970 کو ملی دفاع پارٹی کی بنیاد رکھی، مگر اسلام پسند نظریات اور صوم و صلاۃ کی پابندی کی وجہ سے عدالت نے اسے غیر قانونی قرار دے دیا۔ لیکن اس کے باوجود بھی اربکان کے حوصلے پست نہیں ہوئے، انہوں نے 17 اکتوبر 1971 میں ایک بار پھر ملی سلامت پارٹی کے نام سے نئی سیاسی پارٹی کی بنیاد رکھی اور 1973 کے الیکشن میں 74 ارکان کے ساتھ مخلوط حکومت میں شراکت داری نبھائی، اور نائب وزیر اعظم منتخب ہو گئے۔

اس دور اقتدار میں نجم الدین اربکان نے مساجد اور مدارس میں اسلامی تعلیمات کے تعلق سے قانون سازی اور ملیٹری اداروں میں اسلامی تعلیم کو لازمی قرار دینا ان کا سب سے اہم کارنامہ تھا۔ ترکی کی فوج جسے اتاترک نے آئین کے محافظ ہونے کا اختیار سونپ رکھا تھا، اسلام پسندوں کی ان اصلاحات سے خوش نہیں تھی، اس لئے اس نے اقتدار پر قبضہ کر کے ملی سلامت پارٹی سمیت تمام سیاسی پارٹیوں پر پابندی عائد کر دی، جو 16 جولائی 1983 تک قائم رہی۔ تین سال بعد جب پھر سیاسی سرگرمیاں بحال ہوئیں تو عوام نے جو اربکان کے دلدادہ ہو چکے تھے، دوبارہ اربکان کی پارٹی کو اسی جذبے کے ساتھ کامیاب کیا اور 1996 تک وہ 153 ارکان اسمبلی کے ساتھ ترکی کے وزیر اعظم بن گئے، لیکن ایک بار پھر فوج نے نجم الدین اربکان کو ایک اسلامی نظم پڑھنے کے جرم میں وزیر اعظم کے عہدے سے معزول کر دیا، لیکن فوج کی مسلسل جبری حکمت عملی سے اسلام کے ماننے والوں کی حمایت میں مزید اضافہ ہوتا جا رہا تھا۔ اسی دوران موجودہ صدر طیب اردگان استنبول میں میئر کی حیثیت سے اپنے فرائض انجام دے رہے تھے۔ طیب اردگان اپنی محنت، صلاحیت اور ایمانداری کی وجہ سے عوام کے دلوں میں گھر کر گئے اور عوام کی اربکان کے بعد اردگان کی شکل میں اپنے مستقبل کی قیادت کا فیصلہ کر لیا تھا۔ جنہیں خود بھی 1997 میں ایک باغیانہ اسلام نظم پڑھنے کے جرم میں زندان جانا پڑا، جس کے الفاظ کچھ اس طرح تھے:

مسجدیں ہماری پناہ گاہیں ہیں
ان کے مینار ہمارے نیزے ہیں
ان کے گنبد ہمارے ڈھال ہیں
اور اہل ایمان ہمارے سپاہی ہیں

اس سزا کے خلاف سارے عوام اپنے محترم رہنما کی حمایت میں راستوں پر نکل آئے۔ عوام کے اس طرز عمل کو دیکھ کر حکومت کو مجبوراً انہیں رہا کرنا پڑا۔ اتاترک نے مغرب پرستی میں مذہب سے بغاوت کی تھی، وہ مغرب کی جدید ٹکنالوجی کے ساتھ مغرب کی فحش تہذیب میں جدید ترکی کے عروج کا خواب دیکھ رہے تھے۔ ایک فوجی سپہ سالار کی حیثیت سے انہیں کچھ کامیابی نصیب بھی ہوئی تھی، لیکن انہیں پتا نہیں تھا کہ سرحدوں اور زمینوں کو تو طاقت سے حاصل کیا جا سکتا ہے، مگر دلوں کو فتح کرنے کے لئے محبت کی ضرورت ہوتی ہے اور تہذیبوں کا احیاء جبر سے نہیں بلکہ اخلاق سے ہوتا ہے، اور اخلاق یہ ہے کہ انسان ایک دوسرے کے مذہبی جذبات اور عقائد کو برداشت کرے۔ ترکی میں علامہ اقبال کی وہ پیشین گوئی پوری ہوئی، جو انہوں نے مغربی تہذیب کے بارے میں کی تھی کہ:

تمہاری تہذیب اپنے خنجر سے آپ ہی خودکشی کرے گی
جو شاخ نازک پر آشیانہ بنے گا ناپائیدار ہوگا

ترکی میں اتاترک کا مغربی تہذیب کو بزور بازو نافذ کرنے کا جو منصوبہ تھا وہ ناکام گیا، اور اربکان ہوجہ نے جس اسلامی تحریک کی بنیاد رکھی ترک عوام نے اس کو کامیابی دلائی۔

☆☆☆

اجتہاد کی حقیقت اور اس کی ضرورت

سید قدیر احمد، ایم اے سال اول

جن و انس کی پیدائش کا مقصد عبادت ہے، جیسا کہ "وَمَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَالْإِنسَ إِلَّا لِيَعْبُدُونِ" میں کہا گیا ہے، (الذاریات: 56) چنانچہ اس آیت پر ایمان لانے کے بعد ضروری تھا کہ تمام کاروبار چھوڑ کر صرف عبادت الٰہی میں مشغول ہو جایا جائے، مگر حق تعالیٰ نے اس کے ساتھ ہی کسب و معیشت اور نکاح وغیرہ جیسے بقائے شخصی اور بقائے نوعی سے متعلق قطعی احکام نازل فرمائے کہ یہ سب کام بھی کئے جائیں۔ اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ انسان کا اپنی ذاتی ضرورتوں میں مشغول ہونا بھی عبادت الٰہی ہے، بشرطیکہ شریعت کے مطابق ہو، چنانچہ ارشاد باری تعالیٰ ہے: "وَتِلْكَ الْجَنَّةُ الَّتِي أُورِثْتُمُوهَا بِمَا كُنتُمْ تَعْمَلُونَ" (الزخرف: 72) یعنی مسلمانوں سے قیامت کے دن کہا جائے گا کہ یہ جنت جس کے تم وارث بنائے گئے ہو ان کاموں کا بدلہ ہے جو تم دنیا میں کرتے رہے ہو۔

اسلام نے انسانی زندگی میں پیش آنے والے مسائل کے احکام معلوم کرنے کی ترتیب یہ رکھی ہے کہ جب ہماری زندگی میں کوئی مسئلہ پیش آتا ہے جس کے بارے میں ہمیں خدا کا حکم معلوم کرنا ہو تو سب سے پہلے قرآن مجید کی طرف رجوع کرنا چاہیئے، اگر اس میں کوئی واضح بات نہ ملے تو پھر رسول اللہ ﷺ کی سنت میں حکم تلاش کرنا چاہیئے، اگر اس میں بھی واضح حکم نہ معلوم ہو سکے تو پھر قرآن و سنت کی روشنی میں اجتہاد کرنا چاہیئے، یعنی پھر کتاب و سنت کے اشارات، ان کے مقتضیات و مضمرات عہد نبوی کے امثال و نظائر، صحابہ اور خلفائے راشدین کے تعامل اور شریعت اسلامی کے مزاج کو سامنے رکھ کر اس پیش آمدہ صورت کے لئے حکم متعین کرنا چاہیئے۔

ہر شخص سمجھ سکتا ہے کہ کتاب و سنت کے واضح نصوص سے کوئی حکم معلوم کرنا ہو تو یہ کام کچھ مشکل نہیں ہے اگر ایک آدمی عربی زبان سے واقف ہو تو وہ یہ کام آسانی سے کر سکتا ہے، لیکن جہاں واضح نصوص کے بجائے اشارات، مقتضیات، قیاس، استنباط اور امثال و نظائر وغیرہ سے کام لے کر خود ایک حکم معلوم کرنا ہو تو یہ کام آسان نہیں رہ جاتا، بلکہ ایک بڑا مشکل فنی کام بن جاتا ہے۔

لفظ "اجتہاد" جہد سے بنا ہے، جس کے لغوی معنی کسی چیز کے حصول کے لئے کوشش کرنا ہے۔ اصلاح شریعت میں اجتہاد کا مطلب ہے کسی حکم شرعی کو معلوم کرنے کے لئے انتہائی درجہ کی کوشش کرنا۔

یہ بات اہل علم جانتے ہیں کہ اجتہاد ایک مشکل کام ہے، چنانچہ شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ نے اپنی مشہور کتاب "عقد الجید" میں لکھا ہے کہ اجتہاد کے لئے بہت سے علوم کی ضرورت ہے، مثلاً علم تفسیر، علم حدیث، اقوال علمائے سلف، ناسخ و منسوخ، لغت، طریقہ استنباط احکام، مجمل مفصل وغیرہ، انہی امور کے مباحث میں ایک بڑا فن اصول فقہ مدون ہے۔ ان امور میں کامل دستگاہ حاصل کر لینا ہر کسی کے بس کی بات نہیں۔

سیرت کے واقعات سے پتا چلتا ہے کہ عہد نبوی ﷺ میں صحابہ کرام رضی اللہ عنہ نے متعدد معاملات میں اجتہاد سے کام لیا۔ رسول اللہ ﷺ نے اس اجتہاد کو بعض اوقات پسند فرمایا اور بعض معاملات میں جزوی اصلاح فرمائی۔

مجتہد اجتہاد کا فریضہ اسی وقت انجام دے سکتا ہے جب اسے مجتہد فیہ مسئلہ کی علت اور حکمت و مصلحت سے واقفیت ہوگی، جیسا کہ تمام علمائے اصول نے بیان کیا ہے۔ علت کی تلاش اور علت کی دریافت ایک بنیادی اساس کی حیثیت رکھتی ہے۔ یہی علت کے مباحث ہیں جن سے فقہائے کرام نے مقاصد شریعت کا عظیم الشان علم دریافت کیا ہے۔

اجتہاد جب شرعی ذمہ داری ہے تو وہ وقت کے تقاضوں اور ضرورتوں کے مطابق انجام دیا جاتا رہے گا تاکہ شریعت کی ذمہ داری پوری ہوتی رہے۔

☆☆☆

جمعیت اہل حدیث ہند- ایک تعارف

سید مشتاق احمد خطیب، ایم اے سال دوم

ہندوستان میں ہر دور میں حدیث کے ظاہری معنی پر عمل کرنے والوں کی معتدبہ تعداد موجود رہی ہے تاریخی شواہد سے اس کا ثبوت ملتا ہے۔ البتہ عمل بالحدیث کا یہ کارواں بکھرا ہوا تھا، شیخ الکل میاں محمد نذیر حسین بہاری ثم دہلویؒ نے اس عظیم تحریک کے افراد کو یکجا کرنے اور ان کو مناسب تربیت دینے کا ارادہ فرمایا۔ میاں صاحب نے جماعت اہل حدیث کی علمی آبیاری کا فریضہ بھی انجام دیا، چنانچہ آپ سے مشاہیر علمائے اہل حدیث نے استفادہ کیا اور پھر ان علماء نے وہ گراں قدر کارنامے انجام دیئے جن پر جماعت اہل حدیث فخر کرتی ہے۔

شاہ اسحاقؒ کے حجاز ہجرت کر جانے کے بعد جب دہلی کی مسند خالی ہوئی تو میاں صاحب شاہ اسحاقؒ کے مسندِ درس پر جلوہ افروز ہوئے اور آپ سے ہزاروں تشنگانِ علومِ حدیث نے علمِ حدیث کی پیاس بجھائی۔ مولانا محمد حسین بٹالوی، مولانا ثناء اللہ امرتسری وغیرہ آپ کے خاص شاگردوں میں شامل ہیں۔ میاں صاحب کے بعد مولانا محمد حسین بٹالوی کتاب و سنت کی تعلیم عام کرتے رہے۔ مولانا بٹالوی نے ایک اخبار اشاعۃ السنۃ کے نام سے شروع کیا۔ جس کے ذریعے آپ نے مسلک اہل حدیث کے عقائد و نظریات کو فروغ دیا۔ ان کے علاوہ مولانا نے اس اخبار کے توسط سے باطل افکار کی پُرزور تردید کی جیسے ختم نبوت کے تعلق سے آپ نے ترتیب وار مضامین چھاپے اور قادیانیوں کو چیلنج کیا۔ مولانا ثناء اللہ امرتسری نے بھی جماعت کو مستحکم کرنے کی ہر ممکنہ کوشش کی۔ ان عظیم ہستیوں کے علاوہ ہزاروں اہل حدیث علماء نے مسلک کی ترویج و اشاعت میں بھرپور حصہ لیا۔

جمعیت اہل حدیث ہند کا قیام: 1906 میں اکابر جماعت کی سرپرستی میں، مدرسہ آرہ بہار کے سالانہ جلسہ کے موقع پر اہل حدیث کانفرنس کے نام سے ایک مجلس قائم کی گئی۔ اس طرح آل انڈیا اہل حدیث کانفرنس کی تاسیس عمل آئی۔ عبداللہ غازی پوریؒ اس کے صدر اور ابوالوفاء ثناء اللہؒ امرتسری ناظم مقرر ہوئے۔ ان حضرات نے باضابطہ دعوت و تبلیغ کے پروگرام کا آغاز کیا تاکہ دین خالص کی نشر و اشاعت ہو۔ ان کی کاوشیں ثمر آور ہوئیں اور تحریک اہل حدیث کو بڑا فروغ حاصل ہوا۔

۱۹۴۷ کے بعد جماعت اہل حدیث ہندوستان میں جناب عبد الوہاب آرویؒ کی قیادت میں منزل کی طرف رواں دواں تھی۔ ضرورت کے پیش نظر آل انڈیا اہل حدیث کانفرنس کے عاملہ کے اجلاس منعقد ہوتے رہے جس میں دستور اِساسی میں مناسب حذف و اضافے کئے جاتے رہے۔

11-12 اپریل 1977 کو دہلی میں اجلاس عاملہ میں ایک ترمیم کو منظوری دے گئی کہ "آل انڈیا اہل حدیث کانفرنس" کو "جمعیت اہل حدیث ہند" کے نام سے موسوم کیا جائے۔ جمعیت اہل حدیث اس وقت سے لے کر آج تک اسی نام سے جانی جاتی ہے۔

جمعیت اہل حدیث کے عقائد و نظریات: جماعتِ اہل حدیث کلمہ لاالہ پر اس کے مفہوم کے ساتھ ایمان رکھتی ہے۔ وابستگان جماعت قرآن و حدیث پر بعینہٖ اس طرح اعتقاد رکھتے ہیں جس طرح فقہائے محدثین اس کے قائل ہیں۔ تمسک بالکتاب والسنہ جماعت اہل حدیث کا شعار ہے۔ اسلاف بشمول ائمہ اربعہ کے دینی کارناموں کی بے حد قدر کرتے ہیں اور ان کے علوم سے استفادہ بھی کرتے ہیں۔ البتہ کسی مسئلہ میں علمائے اسلام کی رائے یا قول و عمل، اگر رسول اللہ ﷺ کی سنت ثابتہ کے خلاف ملے تو رسول اللہ ﷺ کی سنت کو مقدم ضروری سمجھتے ہیں۔ جماعت اہل حدیث نہ صرف یہ کہ کتب ستہ میں وارد صحیح احادیث کو دلیل و حجت مانتی ہے؛ بلکہ حدیث کی دیگر کتابوں میں مرقوم وہ احادیث جو محدثین کے قائم کردہ اصولوں کے مطابق صحیح ہوں، ان کو بھی دلیل و حجت مانتی ہے۔ نیز غیر ثابت شدہ حدیثوں کو دلیل و حجت نہیں مانتی خواہ وہ حدیث کی کسی کتاب میں کیوں نہ ہوں۔ من گھڑنت، موضوع اور ضعیف روایات کے بجائے صحیح روایات پر عمل اور ان کی تبلیغ اہل حدیث کا طرہ امتیاز ہے۔

جمعیت کے اغراض و مقاصد: جمعیت نے اپنے اغراض کو مقاصد کو درج ذیل نکات میں بیان کیا ہے: **دعوت و تبلیغ:** (۱) مسلمانوں کو توحید خالص کی دعوت دینا، بدعات کی جگہ سنت کو رائج کرنے کی سعی کرنا، (۲) غیر مسلموں کو اسلام کی دعوت دینا، ان کی غلط فہمیوں کو دور کرنا، (۳) مسلمانوں کے آپسی تنازعات کے لئے قانونی دائرے میں رہ کر شرعی عدالتوں کا قیام، (۴) مسلمانوں کے مسائل کے لئے دارالافتاء کا قیام۔

نشر و اشاعت: (۱) کتاب و سنت پر مبنی کتب و رسائل کی تیاری اور ان کی نشر و اشاعت۔ (۲) کتاب و سنت پر کئے جانے والے اعتراضات کا جائزہ لینا، اور ان کا مؤثر انداز میں جواب دینا۔ (۳) اصلاح معاشرہ کے لئے مختلف زبانوں میں رسائل و کتب تیار کرنا۔ (۴) ماہ نامے، میڈیا، جدید ذرائع ابلاغ مثلاً سوشل میڈیا کا استعمال کرنا۔

تعلیم و تربیت: (۱) جمعیت کے نظریات کی اشاعت کے لئے ہر سطح پر تعلیمی اداروں اور مدارس کا قیام اور ان کے تعاون میں حصہ لینا اور ان کے ترقی و اصلاح کی سعی کرنا۔ (۲) مسلم طلبہ و طالبات کی تعلیمی رہنمائی اور مالی تعاون۔ (۳) عصرِ حاضر کے تقاضوں کے مطابق اسلامی نظریات پر مبنی نصاب کی تیاری (۴) بیت المال اور شعبہ امدادِ باہمی کا قیام

جمعیت اِہل حدیث کا تنظیمی ڈھانچہ: جمعیت اِہل حدیث کا رکن ہر ایسا شخص بن سکتا ہے جو مسلمان ہو، ہندوستانی شہری ہو اور اس کی عمر ۱۸ سال ہو اور وہ جمعیت کے بنائے ہوئے دستور سے متفق ہو۔

جمعیت اِہل حدیث کا شورائی نظام مقامی حلقوں سے مرکزی دفتر تک پھیلا ہوا ہے۔ جس کی تفصیلات یہ ہیں: (الف) مقامی جمعیتیں یعنی ایک ضلع کے مختلف حلقے۔ (ب) ضلعی جمعیتیں یا شہری جمعیتیں۔ (ج) صوبائی جمعیتیں۔ (د) مرکزی جمعیت اہل حدیث ہند، جس کا دفتر دہلی میں واقع ہے۔ مقامی جمعیتیں ضلعی جمعیتوں کا انتخاب کرتی ہیں اور ضلعی جمعیتیں صوبائی جمعیتوں کو چنتی ہیں، صوبائی جمعیتیں مرکزی جمعیت کو منتخب کرتی ہیں۔

جمعیت کی ہر اکائی میں مندرجہ ذیل عہدے ہوتے ہیں: امیر، نائب امیر، ناظم، مرکز کے ناظم کو ناظم عِمومی کہتے ہیں، نائب ناظمین، ناظم مِالیات، مقامی، ضلعی اور صوبائی جمعیتیں مجلس شِوریٰ کہلاتی ہیں، اور مرکزی جمعیت مجلس عِاملہ کہلاتی ہیں، مجلس عاملہ کے موجودہ امیر جناب اصغر علی امام مہدی سلفی ہیں۔

جمعیت کے رفاہی و دینی خدمات: جمعیت ملک بھر میں رفاہی خدمات انجام دیتی ہے۔ آفات سِماوی ہو یا فسادات کے متاثرین، جمعیت اپنے رفاہی کام پیش کرنے سے گریز نہیں کرتی۔ جمعیت ریاستی و ملکی سطح پر بڑے دینی کانفرنس بھی منعقد کراتی ہے۔ ان سب کے علاوہ جمعیت مسلمانوں کے ملی مسائل میں یکجہتی کا ثبوت دیتی ہے۔ بابری مسجد کیس میں، جمعیت، مسلم پرسنل لاء بورڈ کی تائید کرتی ہے، اور کسی بھی ناخوشگوار واقعہ کی جمعیت پُرزور انداز میں مذمت کرتی ہے۔ جمعیت کے جانب سے اردو زبان میں "ترجمان"، عربی میں "الاستقامہ"، ہندی میں "اصلاح سماج" اور انگریزی میں "THE SIMPLE TRUTH" کے نام سے مجلات و رسائل نکلتے ہیں۔

جمعیت اِہل حدیث ہندوستان میں مسلمانوں کی مذہبی شناخت کے سلسلے میں جو خدمات انجام دے رہی ہے وہ لائق تحسین ہیں۔ متعدد مسائل میں مسلک سے بالاتر ہو کر جو ملّی اتحاد کا ثبوت دے رہی ہے، وہ ہم سب کا فریضہ ہے۔

☆☆☆

"جس قید خانے میں صبح ہر روز مسکراتی ہو، جہاں شام ہر روز پردۂ شب میں چھپ جاتی ہو، جس کی راتیں کبھی ستاروں کی قندیلوں سے جگمگانے لگتی ہو، کبھی چاندنی کی حسن افروزیوں سے جہاں تاب رہتی ہوں، جہاں دوپہر ہر روز چمکے، شفق ہر روز نکھرے، پرند ہر صبح و شام چہکیں، اسے قید خانہ ہونے پر بھی عیش و مسرت کے سامانوں سے خالی کیوں سمجھ لیا جائے؟ یہاں سر و سامان کار کی تو اتنی فراوانی ہوئی کہ کسی گوشہ میں بھی گم نہیں ہو سکتا۔ مصیبت ساری یہ ہے کہ خود ہمارا دل و دماغ ہی گم ہو جاتا ہے۔ ہم اپنے سے باہر ساری چیزیں ڈھونڈتے رہیں گے مگر اپنے کھوئے ہوئے دل کو کبھی نہیں ڈھونڈھیں گے؛ حالانکہ اگر اسے ڈھونڈ نکالیں تو عیش و مسرت کا سارا سامان اسی کوٹھری کے اندر سمٹا ہوا مل جائے۔"

امام الهند مولانا ابو الکلام آزاد

شعبہ اسلامک اسٹڈیز کی علمی وثقافتی سرگرمیاں

عبد الرقیب، پی ایچ ڈی اسکالر

شعبہ اسلامک اسٹڈیز مولانا آزاد نیشنل اردو یونیورسٹی کے 2017 کے تعلیمی سال کے آغاز سے اب تک (دسمبر 2017) کی متنوع علمی، تعلیمی اور ثقافتی سرگرمیوں کی مختصر رپورٹ ذیل میں پیش کی جارہی ہے:

اورینٹیشن پروگرام

❁ شعبہ اسلامک اسٹڈیز میں نئے تعلیمی سال کے آغاز پر نئے طلباء کو شعبہ کے نصاب ونظام اور دیگر سرگرمیوں سے متعارف کرانے کے لئے 3 اگست کو ایک روزہ اورینٹیشن پروگرام منعقد کیا گیا۔ جس میں اساتذہ شعبہ نے شعبہ اسلامک اسٹڈیز کے نصاب، نظام تدریس، داخلی امتحانات اور اسلامک اسٹڈیز کی اہمیت پر طلباء کو خطاب کیا۔

استقبالیہ تقریب

26 اکتوبر کو شعبہ اسلامک اسٹڈیز مانو میں ایم اے سال اول کے طلبہ کے لئے سال دوم کے طلباء نے ایک استقبالیہ تقریب منعقد کی۔

توسیعی خطابات

شعبہ اسلامک اسٹڈیز مانو کی جانب سے موقع بموقع ممتاز اسکالرس اور ماہرین کو توسیعی خطابات کے لئے مدعو کیا جاتا ہے، ابھی گزشتہ دنوں جن توسیعی خطابات کا انعقاد عمل میں آیا وہ اِس طرح سے ہیں:

❁ 16 اگست کو توسیعی خطاب کے لئے امریکہ کی ایک معروف تنظیم مرکز برائے تکثیریت کے ناظم جناب ڈاکٹر مائک غوث صاحب نے اہم موضوع "بین المذاہب تعلقات" کے عنوان پر اپنا لکچر پیش کرتے ہوئے کہا کہ جب کسی مذہب کی تعلیمات بتائی جائیں تو اسے اسی طرح بتانا چاہئے جیسا کہ اہل مذہب بتاتے ہیں، انہوں نے مزید آداب وتسلیمات کے حوالے سے یہ بات کہی کہ اجنبی علاقے میں آپ کے لئے اگر کوئی استقبالیہ جملہ ادا کرے تو آپ کی اجنبیت دور ہو جاتی ہے۔

❁ 16 نومبر کو ملک کی معروف شخصیت پروفیسر محسن عثمانی ندوی سابق ڈین اسکول برائے عرب وایشائی مطالعات افل یونیورسٹی حیدرآباد نے ایک اہم موضوع "ہندوستانی مذاہب کا ایک تعارف" پر ایک قیمتی مقالہ پیش کیا، انہوں نے کہا کہ ہندو مذہب دنیا کے قدیم ترین مذاہب میں سے ہے، انہوں نے ہندوں کی مذہبی کتاب ویدوں کا تذکرہ کرتے ہوئے کہا کہ ویدوں میں بھی توحید کا تصور موجود ہے، البتہ اس میں مورتی پوجا کے طریقے بھی بیان کئے گئے ہیں۔

اسلامی مطالعات فورم کی متنوع سرگرمیاں

شعبہ اسلامک اسٹڈیز مانو کا ایک متحرک اور فعال پلیٹ فارم "اسلامی مطالعات فورم" ہے جس کے قیام کا مقصد طلباء کے اندر ہمہ جہت علمی وتحقیقی صلاحیتوں کو پروان چڑھانا ہے، اس کے مقصد کے تحت مختلف موضوعات پر علمی وتحقیقی اور ثقافتی پروگرام منعقد ہوتے ہیں، گذشتہ 9 مہینوں میں جو پروگرام منعقد ہوئے، ان کی ایک جھلک قارئین کی نذر ہے۔ ❁ 23 مارچ کو شعبہ میں جناب سعید صاحب (آرکٹیکٹ) نے "قرآن اور اس کے تاریخی مقامات" پر اپنی تیار کردہ ڈاکومنٹری پیش کرتے ہوئے نزول قرآن کے مقامات کی نشاندہی کی اور مصر اور عراق وغیرہ کے تاریخی مقامات کا مشاہدہ کرایا۔ ❁ 30 مارچ میں شعبہ کی جانب سے ایک کوئز مقابلہ منعقد ہوا، جس میں چار ٹیموں نے حصہ لیا۔ یہ مقابلہ تین راؤنڈ پر مشتمل تھا، یہ مقابلہ نیٹ کے طرز کے سوالات پر مبنی تھے۔ ❁ 10 اگست کو ڈاکٹر افروز عالم صاحب (صدر شعبہ سیاسیات، مانو) نے "ہندوستان کا سیاسی نظام" کے عنوان سے اپنا لکچر پیش کیا۔

❁ 21 ستمبر کو ڈاکٹر افروز عالم (صدر شعبہ سیاسیات، مانو) نے ایک بہت ہی اہم موضوع "ہندوستان کا عدالتی نظام" پر خطاب کیا جس میں آئین ہند کے دفعہ 124 سے 147 تک میں سپریم کورٹ کا تذکرہ ہے، مزید انہوں نے سپریم کورٹ، ہائی کورٹ اور ڈسٹرکٹ کورٹ کے ججز کا انتخاب، اس کی شرائط وغیرہ پر تفصیل سے روشنی ڈالی۔ ❁ 5 اکتوبر کو ڈاکٹر اشونی صاحب (اسٹنٹ پروفیسر برائے تعلیم وتربیت نظامت فاصلاتی تعلیم، مانو، حیدرآباد) نے "ہندی زبان موجودہ تناظر میں" پر لکچر پیش کیا، انہوں نے کہا کہ ہندی اور اردو دو بہنوں کی طرح ہیں لیکن جب سنسکرت زدہ ہندی یا عربی اور فارسی زدہ اردو بولی جاتی ہے تو ہماری گنگا جمنی زبان جسے ہندوستانی زبان کہتے ہیں وہ کہیں کھو جاتی ہے۔ ❁ 9 نومبر کو ڈاکٹر ذوالقرنین (اسٹنٹ پروفیسر شعبہ معاشیات، مانو) نے "جدید معاشیات-ایک تعارف" پر اپنا قیمتی لکچر دیا۔

شعبہ میں مہمانوں کی آمد

❁ 4 اگست کو پروفیسر اختر الواسع (چیرمین مولانا آزاد یونیورسٹی، جودھپور، راجستھان) شعبہ میں تشریف لائے اور انہوں نے "بدلتے منظر نامے میں اسلامیات کے طلباء کا رول" جیسے اہم موضوع پر اساتذہ وطلبہ سے اظہار خیال کیا۔

❁ 27 اکتوبر کو شعبہ میں پروفیسر اقتدار محمد خان (سابق صدر شعبہ اسلامک اسٹڈیز، جامعہ ملیہ اسلامیہ، دہلی) اور ڈاکٹر غضنفر علی خان (ایسوسیئیٹ پروفیسر مانو کالج برائے خواتین، بڈگام کشمیر) نے شعبہ کے طلبہ سے خطاب کیا۔

بزم طلبہ کے تحت منعقدہ پروگرامس

❁ 28 اگست کو شعبہ میں "بیت بازی" کا مقابلہ منعقد ہوا جس میں چار ٹیموں نے شرکت کی اور ٹیم میر نے اول، غالب نے دوم، اقبال نے سوم اور حالی نے چہارم مقام حاصل کیا۔ ❁ 12 اکتوبر کو شعبہ میں ایک "کوئز مقابلہ" منعقد کیا گیا، جس میں 3 ٹیموں نے شرکت کی۔

اساتذہ کی سرگرمیاں

شعبہ اسلامک اسٹڈیز کے اساتذہ تدریسی سرگرمیوں کے ساتھ دیگر علمی وتحقیقی سرگرمیوں میں بھی شرکت کرتے رہتے ہیں۔ حالیہ سرگرمیاں درج ذیل ہیں:

❁ ڈاکٹر محمد فہیم اختر ندوی (صدر شعبہ):

❁ انسٹی ٹیوٹ آف آبجیکٹیو اسٹڈیز نئی دہلی کے تحقیقی رسالہ "مطالعات" (شمارہ جنوری تا مارچ) میں ایک مقالہ "ڈاکٹر طٰہ جابر علوانی اور تجدیدی فکر-مقاصد شرع کے حوالے سے" شائع ہوا۔ ❁ 24-23 ستمبر کو انجمن طلبہ قدیم مدرسۃ الاصلاح علی گڑھ کے دو روزہ سیمینار کے لئے "مولانا سلطان احمد اصلاحی اجتہادی فکر، جرأت اور تواضع کا پیکر" کے عنوان پر اپنا مقالہ بھیجا جسے سیمینار میں پیش کیا گیا۔ ❁ ہارون خان شیروانی دکن اسٹڈیز، مانو، حیدرآباد کے تحت منعقدہ دو روزہ قومی سیمینار 11-10 اکتوبر میں اپنا تحقیقی مقالہ "عہد آصف جاہی کے چند بیرونی ارباب کمال" پیش کیا۔ ❁ معروف تنظیم آئی او ایس نئی دہلی کے تحت منعقدہ مولانا آزاد یونیورسٹی راجستھان کے اندر دو روزہ قومی سیمینار بتاریخ 21-20 اکتوبر 2017 میں اپنا مقالہ بعنوان "ہندوستانی دستور: آزادی، مساوات واخوت اور انصاف کے اسلامی تصورات" پیش کیا۔ ❁ 30-29 اکتوبر 2017 کو ملک کے معروف ادارہ مرکز المعارف ہوجائی آسام کے تحت دو روزہ سیرۃ النبی پروگرام میں بحیثیت چیف گیسٹ شرکت فرمائی۔ ❁ ملک کی معروف یونیورسٹی جامعہ ہمدرد نئی دہلی کے شعبہ اسلامک اسٹڈیز کے تحت ہونے والے دو روزہ قومی سیمینار 23-22 نومبر 2017 میں "بھارت کے دستور میں مذہبی آزادی اور دفعہ 25" کے عنوان سے اپنا مقالہ پیش کیا۔ ❁ اسلامک فقہ اکیڈمی انڈیا کے 27 ویں سمینار منعقدہ ممبئی کے تین روزہ سیمینار میں شرکت فرما کر اپنا تحقیقی مقالہ دو طلاق کے سماجی مسائل کے موضوع پر پیش کیا۔

❁ ڈاکٹر محمد عرفان احمد (اسٹنٹ پروفیسر شعبہ اسلامیات):

❁ انسٹرکشنل میڈیا سینٹر مانو کی جانب سے منعقدہ سہ روزہ ورکشاپ بعنوان "آن لائن تدریس، آموزش واحتساب" میں شرکت کی۔

❁ جناب محمد سراج الدین (اسٹنٹ پروفیسر شعبہ اسلامیات):

❁ اپریل 2017 میں یو جی سی کی جانب سے منعقدہ ہفت روزہ انڈکشن ورکشاپ میں شرکت کی۔ ❁ جون 2017 میں "احکام روزہ وزکاۃ-قرآن وحدیث کی روشنی میں" کے نام سے "الاتحاد پبلیکیشنز نئی دہلی" سے ایک کتاب شائع ہوئی۔ ❁ جولائی 2017 میں آل انڈیا ریڈیو آکاشوانی دربھنگہ سے رمضان المبارک کی فضیلت پر ایک بیان پیش کیا۔

❁ محترمہ ذیشان سارہ (استاذ شعبہ):

❁ انسٹی ٹیوٹ آف آبجیکٹیو اسٹڈیز نئی دہلی کے تحقیقی رسالہ "مطالعات" (شمارہ اپریل تا جون) میں ایک مقالہ "ازواج مطہرات اور رسول کریم ﷺ کا طرز عمل" شائع ہوا۔ ❁ کالی کٹ کیرالہ میں انسٹی ٹیوٹ آف آبجکٹیو اسٹڈیز کے تحت منعقدہ 24-23 ستمبر دو روزہ بین الاقوامی کانفرنس میں اپنا تحقیقی مقالہ "انسانی سماج کی تعمیر میں خواتین کا کردار" پیش کیا۔ ❁ ہارون خاں شیروانی دکن اسٹڈیز، مانو، حیدرآباد کے تحت منعقدہ دو روزہ قومی سیمینار 11-10 اکتوبر میں اپنا مقالہ "شاہ نظام الدین اورنگ آبادی اور آصف جاہ اول کے ساتھ ان کا تعلق" پیش کیا۔

❁ شعبہ اسلامک اسٹڈیز جامعہ ہمدرد کی جانب سے منعقدہ دو روزہ قومی سیمینار 23-22 نومبر میں اپنا مقالہ "جہیز اور شادی کے مطالبات اور اسلامی شریعت" کے عنوان پر پیش کیا۔

❁ انسٹرکشنل میڈیا سینٹر مانو کی جانب سے منعقدہ سہ روزہ ورکشاپ بعنوان "آن لائن تدریس، آموزش واحتساب" میں شرکت کی۔

طلبہ کی دیگر سرگرمیاں

❁ 7 اپریل 2017 کو سید حامل لائبریری مانو کی جانب سے منعقدہ ایک روزہ ورکشاپ "سرقہ اور حوالہ" میں ایم فل اور پی ایچ ڈی کے اسکالرس نے شرکت کی۔ ❁ یوم آزاد تقاریب کے تحت "بیت بازی" مقابلے میں شعبہ اسلامک اسٹڈیز کی ایک ٹیم نے شرکت کی اور تقریری مقابلے میں پی ایچ ڈی اسکالر محمد عامر نے شرکت کی اور انعام دوم حاصل کیا۔

☆☆☆

دنیا سے محبت اور موت سے نفرت

حنیفہ بتول، ایم اے سال اول

"وَيْلٌ لِكُلِّ هُمَزَةٍ لُمَزَةٍ، الَّذِي جَمَعَ مَالًا وَعَدَّدَهُ، يَحْسَبُ أَنَّ مَالَهُ أَخْلَدَهُ" (الہمزہ: 3-1) یعنی تباہی پیٹھ پیچھے برائی کرنے والے کے لئے اور طعنہ دینے والے کے لئے، جو مال جمع کرتا ہے اور اسے گنتا رہتا ہے اور گمان کرتا ہے کہ اس کا مال اسے ہمیشگی کی زندگی دے گا...!!! ان آیات میں اللہ تعالیٰ نے تین سخت گناہوں پر عذاب شدید کی وعید اور پھر اس عذاب کی شدت بیان کی ہے، وہ تین گناہ ہیں: ہمز یعنی غیبت، لمز یعنی کسی کو طعنے دینا اور برا کہنا اور تیسرا گناہ جس پر عذاب کی وعید اس آیت میں آئی ہے وہ مال کی حرص اور محبت ہے، اسی کو آیت میں اس طرح سے تعبیر کیا ہے کہ حرص ومحبت کی وجہ سے اس کو بار بار گنتا رہتا ہے۔ چونکہ مطلقاً مال کا جمع رکھنا کوئی گناہ نہیں اس لئے یہاں جمع مال سے مراد وہ جمع ہے جس میں حقوق واجبہ ادا نہ کئے جائیں یا فخر وتفاخر مقصود ہو یا اس کی محبت میں منہمک ہو کر دین کی ضروریات سے غافل ہو جائیں۔ اس طرح سورۂ تکاثر میں بھی اللہ تعالیٰ صرف دنیوی محبت کرنے والوں اور آخرت سے غفلت برتنے والوں کی مزمت فرمائی: "أَلْهَاكُمُ التَّكَاثُرُ، حَتَّى زُرْتُمُ الْمَقَابِرَ، كَلَّا سَوْفَ تَعْلَمُونَ"۔ (فخر کرنا تمہیں غافل کئے رہتا ہے تا آنکہ تم قبرستان میں پہنچ جاتے ہو، ہاں عنقریب تمہیں معلوم ہو جائے گا)۔ (التکاثر: 3-1)

نبی ﷺ نے ایک دن صحابہ کرام سے پوچھا کہ اُس وقت تمہاری کیا حالت ہوگی جب دنیا کی تمام اقوام تمہارے خلاف ہلا بولے گی اور تم پر ایسے ٹوٹ پڑے گی جیسے بھوکا شیر اپنے شکار پر جھپٹ پڑتا ہے۔ یہ سن کر صحابہ کرامؓ پریشان ہو گئے اور دریافت کیا: یارسول اللہ! کیا اس وقت ہماری تعداد کم ہوگی؟ فرمایا: نہیں بلکہ اس وقت تم تعداد میں سب سے زیادہ ہو گے لیکن سمندر کی جھاگ کی مانند ہو گے، تمہاری کوئی قدر وقیمت نہیں ہوگی اور بالکل بے وقعت ہو جاؤ گے، صحابہ کرام نے پوچھا: اس طرح کیوں ہوگا؟ فرمایا: "عَلَيْكُم الْوَهْنُ، فَقَالَ قَائِلٌ: يَا رَسُولَ اللَّهِ، وَمَا الْوَهْنُ؟ قَالَ: حُبُّ الدُّنْيَا، وَكَرَاهِيَةُ الْمَوْتِ"۔ (یعنی اس وقت تم پر وہن طاری ہوگا، پوچھا کہ وہن کیا ہے اے اللہ کے رسول؟ ارشاد ہوا: دنیا سے محبت اور موت سے نفرت)۔ (ابوداؤد: 4297)

جب ہم چار دانگ عالم پر نظر ڈالتے ہیں تو آپ ﷺ کی پیشین گوئی صادق نظر آتی ہے۔ آج دنیا میں ہماری تعداد کم نہیں، 40 سے زائد مملکتیں ہمارے ہاتھ میں ہیں لیکن افسوس ہر ایک کو اپنا اپنا دنیوی مفاد عزیز ہے، ایثار وقربانی کا جذبہ مفقود ہے، ہر کوئی "حُبُّ الدُّنْيَا، وَكَرَاهِيَةُ الْمَوْتِ" کی صفت کا شکار ہے، اللہ تعالیٰ نے ان مذکورہ صفات کو یہودیوں کی صفت بتایا، بدقسمتی سے آج ہمیں دنیا بہت عزیز ہو گئی ہے اور آخرت کو ہم نے بھلا دیا ہے۔

نبی ﷺ اپنے صحابہ کے ساتھ ایک راستے سے گزر رہے تھے، وہاں بکری کا ایک مردہ کان کٹا ہوا بچہ پڑا ہوا تھا، اسے دیکھ کر آپ ﷺ نے فرمایا: اسے دو دینار میں کون لے گا؟ صحابہ نے عرض کیا: یارسول اللہ! یہ بکری کا مردہ بچہ ہے اس کے کان بھی کٹے ہوئے ہیں، اسے لے کر ہم کیا کریں گے؟ اس وقت رسول اللہ ﷺ اپنے صحابہ کو بتاتے ہیں کہ جس طرح تمہاری نظروں میں یہ بکری کا مردہ کان کٹا بچہ بے وقعت ہے، خدا کی قسم یہ دنیا بھی اللہ کی نظروں میں اس سے زیادہ حقیر اور بے وقعت ہے۔ (مسلم: 2957)

جب ہم نبی ﷺ کی زندگی پر نظر ڈالتے ہیں تو ہمیں پتہ چلتا ہے کہ آپ ﷺ بہت سادہ زندگی بسر کرتے تھے، چنانچہ ازواج مطہرات میں سے حضرت عائشہ صدیقہؓ فرماتی ہیں: گھر میں تین تین مہینے تک چولہا نہیں جلتا تھا، صرف کھجور اور پانی پر گزارہ ہوتا تھا۔ آپ ﷺ نے بھی اپنے ساتھیوں کو دنیا کی محبت سے دور رکھا، چنانچہ ہم دیکھتے ہیں کہ آپ ﷺ کے صحابہ جب ہجرت کر رہے تھے تب ان سے ان کے دنیوی مال ومتاع اور ساز وسامان چھین لئے گئے تھے مگر انہوں نے اس کی ذرا بھی پرواہ نہ کی اور اپنے ایمان کو بچاتے ہوئے ہجرت کی۔ جیسے حضرت عبدالرحمٰنؓ بن عوف جب ہجرت کرنے نکلے تو وہ اونٹ پر سوار تھے، کچھ لوگ آئے اور کہا کہ ہم مدینہ نہیں جانے دیں گے، بچہ کو چھین لیا، جو پونجی رقم تھی وہ بھی لے لیا اور جس اونٹ پر آپ سوار تھے وہ بھی چھین لیا۔ اسی طرح ایک صحابی صہیب رومیؓ ہیں، جب وہ ہجرت کرنے کے لئے نکلے تو لوگوں نے پکڑ لیا اور کہا جو کچھ رقم تم نے مکہ میں کمایا ہے مدینہ نہیں لے جا سکتے، تو صہیب نے کہا: اگر تمہیں یہ رقم دے دوں تو کیا تم مجھے جانے دو گے؟ کہا: ہاں، یہ سن کر صہیب رومی اپنی زندگی بھر کی کمائی ہوئی رقم انہیں سونپ دی اور اللہ کا شکر ادا کرتے ہوئے مدینہ ہجرت کر گئے۔

یہ اور ان جیسے ہجرت کرنے والے صحابہ نبی ﷺ کے تربیت یافتہ تھے، جن کا دل اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی محبت سے لبریز تھا اور وہ آخرت کو دنیا پر ترجیح دیتے تھے، اسی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے ان کی شان میں فرمایا: "رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُمْ وَرَضُوا عَنْهُ"۔ (المائدہ: 119)

افسوس صد افسوس آج کا مسلمان دنیا کو ترجیح دینے لگا اور آخرت کے دن اور اس کی ہولناکیوں کو یکسر فراموش کر دیا اور قرآن وحدیث کو پس پشت ڈال دیا، جس کی وجہ سے اللہ ناراض ہوا اور مسلمانوں کی مدد چھوڑ دی۔ اگر اللہ کی مدد ہو تو ہر جگہ کامیابی ہے اور اگر اللہ مدد کرنا چھوڑ دے تو کون ہماری مدد کر سکتا ہے۔

"وَمَا الْحَيَاةُ الدُّنْيَا إِلَّا مَتَاعُ الْغُرُورِ" یہ دنیا ایک دھوکہ کی پونجی ہے اس لئے دنیا کی محبت سے جہاں تک ہو سکے دور رہنے کی کوشش کریں اور نیک اعمال اور زہد وتقویٰ کی زندگی گزاریں تاکہ موت سے نفرت ختم ہو جائے، اللہ تعالیٰ کا جب بھی بلاوا آئے لبیک کہیں۔

☆☆☆

عصر حاضر میں قرآنی مضامین پر تحقیق کی ضرورت اور اس کی نوعیت

محمد عامر، پی ایچ ڈی اسکالر

قرآنیات کے حوالہ سے المیہ یہ ہے کہ ہم نے زیادہ تر فقہی اور لغوی پس منظر میں تفہیم وتشریح کی کوششیں کی ہیں۔ علمی اور موضوعاتی انداز میں قرآن کریم کا مطالعہ یا تو سرے سے کیا ہی نہیں یا کیا تو نہ کے برابر۔

1- قرآن کریم کا علمی مطالعہ: علم کے اس دھماکہ خیز انکشافی دور میں سخت ضرورت ہے کہ قرآن کریم کا خالص موضوعاتی مطالعہ کیا جائے۔ قرآن نے جو علمی موضوعات اٹھائے ہیں، جن فکری اور شعوری مضامین کی طرف توجہ دلائی ہے اور جو انقلابی افکار پیش کئے ہیں ان کی تفہیم وتشریح کی جائے، ان کو نئے پس منظر میں سمجھنے کی کوشش ہو، قرآنی آیات سے جو خالص علمی اسرار منکشف ہو رہے ہیں ان کی فنی اور جدید تعبیر کی جائے۔

2- مضامین قرآن پر خصوصی توجہ دی جانی چاہئے: قرآن کا تین تہائی سے زیادہ حصہ علوم وافکار، مضامین وخیالات، آیات ونشانیوں پر مشتمل ہے لہٰذا اسی نوعیت سے روشنی ڈالنی چاہئے۔ قرآن نے مضامین کو مختلف انداز سے اپنے مخصوص انداز میں جدید سائنسی علوم جیسے: علوم حیوانیات، علوم نباتیات، علوم جغرافیہ، علوم فلکیات، علوم اقتصادیات، علوم اخلاقیات، بزنس مینجمنٹ اور سب سے بڑھ کر آیات اللہ (کائنات ارضی) کی طرف کبھی لطیف اور کبھی واضح انداز میں ہدایات دی ہیں۔ ان تمام علوم ومضامین کے بارے میں قرآن کسی نہ کسی انداز میں ضرور گفتگو کرتا ہے لہٰذا اس کو اسی طرح سمجھنے کی ضرورت ہے۔

3- عصر حاضر کے تناظر میں قرآنی مضامین کا مطالعہ: قرآن کریم چونکہ ساری انسانیت کے لئے ہے اور اس کے مضامین بھی متعدد ہیں لہٰذا ہر زمانے اور وقت کے اعتبار سے اہل علم کو مضامین قرآن کی عصری تفہیم وتشریح کرنی چاہئے۔ قرآن میں تو جگہ جگہ "اَفَلَا تَتَفَكَّرُوْنَ، اَفَلَا تَعْقِلُوْنَ، اَفَلَا تُبْصِرُوْنَ" جیسی تعبیرات پائی جاتی ہیں، جو اجتہاد، غور وخوض اور جدید تعبیر وتشریح کی طرف دعوت دیتی ہیں۔ موجودہ دور میں مندرجہ ذیل موضوعات کی روشنی میں قرآنی مضامین کا مطالعہ کیا جانا چاہئے:

❁ انسانی حقوق، ❁ عورتوں اور بچوں کے حقوق، ❁ جانوروں کے حقوق، ❁ تکثیری سماج کے سلسلہ میں قرآنی ہدایات، ❁ ماحولیات اور فساد فی الارض کے سلسلہ میں قرآنی فلسفہ، ❁ خاندانی نظام کا ماں، باپ اور زوجین کے آپسی تعلقات اور رویے کے سلسلہ میں قرآنی افکار، ❁ دوسرے مذاہب کے احترام اور ان کے ساتھ کیسا رویہ برتا جائے، ❁ قرآنی آیات جہاد وقتال کے صحیح تشریح، ان کے مخصوص حالات، ❁ انسانی ہمدردی کے سلسلہ میں قرآنی ہدایات، ❁ بین مذاہب تعلقات کے سلسلہ میں قرآنی نظریہ۔

4- قرآن کریم کا جغرافیہ: بعض لوگوں نے اس پر کام کیا ہے لیکن بہت سی نوعیت سے اس پر کام کیا جانا ابھی باقی ہے، اور جو کام ہوا ہے وہ بہت کم ہے، قرآن کریم میں استعمال ہونے والے جانور، علاقے، اسماء اور حیوانات ونباتات کا باتصویر اور جدید ٹکنالوجی کی مدد سے تھری ڈی میپ اور تصاویر تیار کی جا سکتی ہیں۔ اس طرح قرآن کریم کے حدود اربعہ کو سمجھنے میں کافی سہوت ہو جائے گی۔

5- اخلاقیات قرآن: قرآن نے انسانی تعلقات کی بہتری اور کردار کی بلندی پر بہت زور دیا ہے لیکن مضامین پر علاحدہ کام نہیں کیا گیا، دور جدید میں اس کی ضرورت ہے کہ قرآنی نفسیات پر کام کیا جائے، قرآنی سائیکولوجی پر کتابیں لکھی جائیں۔ لہٰذا اس موضوع پر مستقل کام کیا جانا چاہئے، اور جس طرح خود قرآن نے ان موضوعات کو اہمیت دی ہے ہمیں ان کو اسی طرح اہمیت دینا چاہئے۔

قرآن کریم آخرت تک کے انسانوں کے لئے نسخہ ہدایت ہے، لہٰذا قرآن کریم کی ہر زمانہ اور ماحول کے اعتبار سے تشریح ہونی چاہیے۔ افسوس ہے کہ قرآن کا جو تصورِ علم تھا ہم نے اسے پس پشت ڈال دیا، قرآن کی خالص علمی اور سائنسی تشریح تو گویا کی ہی نہیں گئی، قرآنی آیات پر جدید علوم کی مدد سے نئی تشریحات سے ایک نئے قرآنی معجزے کا اہم ادراک کر سکتے ہیں۔ ضرورت ہے کہ ہم قرآن کے علمی اور کائناتی پہلو پر غور کریں اور قرآن کے ایک فراموش کردہ حصہ کو اہل علم کے سامنے لائیں، اور اپنی دنیوی اور اخروی ترقیات کا سامان